سوال:

کیا حضرت علی (ع) کتاب نہج البلاغہ میں خلافت کو اپنا حق نہیں مانتے؟

جواب:

یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ خود حضرت علی (ع) نے کتاب نہج البلاغہ میں 10 سے 20 مقامات پر خلافت کو اپنا مسلم حق کہا ہے اور اس بارے میں آیات، احادیث نبوی اور گذشتہ خلفاء کے اقوال سے استناد بھی کیا ہے:

1- حضرت امیر (ع) نے نہج البلاغہ کے خطبہ 2 میں خلافت کو اہل بیت کا حق قرار دیا ہے اور غاصبان خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے:

و منها يعني آل النبي عليه الصلاة و السلام

هم موضع سرّه، و لجأ أمره، و عيبة علمه، و موئل حكمه، و كهوف كتبه، و جبال دينه، بهم أقام انحناء ظهره، و أذهب ارتعاد فرائصه،

و منها يعني قوما آخرين

زرعوا الفجور، و سقوه الغرور، و حصدوا الثّبور، لا يقاس بآل محمّد صلّي اللّه عليه و آله من هذه الأمّة أحد، و لا يسوّي بهم من جرت نعمتهم عليه أبدا: هم أساس الدّين، و عماد اليقين.

إليهم يفيء الغالي، و بهم يلحق التّالي. و لهم خصائص حقّ الولاية، و فيهم الوصيّة و الوراثة، الآن إذ رجع الحقّ إلي أهله، و نقل إلي منتقله،

آل پیغمبر (ص): وہ خداوند کے اسرار کی جگہ، اسکے فرمان کی پناہ گاہ، اسکے علم کے ظرف، اسکے احکام کا مقام، اسکی کتب کی پناہ گاہیں اور اسکے دین کے مستحکم پہاڑ ہیں، خداوند نے انہی کے ذریعے سے دین کے ٹیڑے پن کو سیدھا کیا اور دین میں ڈر و خوف کو ختم کیا ہے۔ آل محمد دین کی اساس و بنیاد ہیں:

دشمنان اسلام کے بارے میں فرمایا:

انھوں نے ظلم و ستم کا بیج بویا ہے، اور دھوکے و فریب کے پانی سے اسکی آبیاری کی ہے، پھر اسی بیج سے بد بختی اور نابودی کی فصل کو کاٹا ہے، اس امت میں کسی کا بھی آل محمد کے ساتھ موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

وہ جو آل محمد کے دستر خوان سے ریزہ خواری کرتے ہیں، وہ کبھی بھی انکے برابر نہیں ہو سکتے، آل محمد دین کی بنیاد اور یقین کے ارکان ہیں۔

غلو کرنے والے کو انکی طرف پلٹنا چاہیے، اور پیچھے رہنے والے کو ان سے ملحق ہونا چاہیے، ولایت و حکومت کی صفات ان میں پائی جاتی ہیں، رسول خدا (ص) کی وصیت اور اسکی میراث انہی کے پاس ہے، آخر کار ابھی حق اپنے حقدار کے پاس پلٹ کر آیا ہے اور حق جس جگہ سے منتقل ہوا تھا، وہاں واپس آگیا ہے۔

2- حضرت امیر (ع) نے خطبہ سوم میں صراحت کے ساتھ اپنے سے پہلے والے خلفاء پر اعتراض کیا ہے اور ان سب کو غاصب شمار کیا ہے اور اپنی حکومت کے مخالفین پر بھی اعتراض کیا ہے:

أما و الله لقد تقمّصهافلان و إنّه ليعلم أنّ محلّي منها محلّ القطب من الرّحا. ينحدر عنّي السّيل، و لا يرقي إليّ الطّير، فسدلت دونها ثوبا، و طويت عنها كشحا. و طفقت أرتئي بين أن أصول بيد جذّاء، أو أصبر علي طخية عمياء، يهرم فيها الكبير، و يشيب فيها الصّغير، و يكدح فيها مؤمن حتّي يلقي ربّه

ترجيح الصبر

فرأيت أنّ الصّبر علي هاتا أحجي، فصبرت و في العين قذي، و في الخلق شجا، أري تراثي نهبا، حتّي مضي الأوّل لسبيله، فأدلي بها إلي فلان بعده. ثم تمثل بقول الأعشي:

شتّان ما يومي علي كورها و يوم حيّان أخي جابر

فيا عجبا بينا هو يستقيلها في حياته إذ عقدها لآخر بعد وفاته- لشدّ ما تشطّرا ضرعيها- فصيّرها في حوزة خشناء يغلظ كلمها، و يخشن

مسّها، و يكثر العثار فيها، و الاعتذار منها، فصاحبها كراكب الصّعبةإن أشنق لها خرم، و إن أسلس لها تقحّم، قمني النّاس- لعمر اللّه- بخبط و شماس، و تلوّن و اعتراض، فصبرت علي طول المدّة، و شدّة المحنة، حتّي إذا مضي لسبيله جعلها في جماعة زعم أنّي أحدهم، فيا للّه و للشّوري متي اعترض الرّيب فيّ مع الأوّل منهم، حتّي صرت أقرن إلي هذه النّظائر لكنّي أسففت إذ أسفّوا، و طرت إذ طاروا، فصغا رجل منهم لضغنه، و مال الآخر لصهره، مع هن و هن، إلي أن قام ثالث القوم نافجا حضنيه، بين نثيله و معتلفه، و قام معه بنو أبيه يخضمون مال اللّه خضمة الإبل نبتة الرّبيع، إلي أن انتكث عليه فتله، و أجهز عليه عمله، و كبت به بطنته

مبايعة علي

فما راعني إلّا و النّاس كعرف الضّبع إليّ، ينثالون عليّ من كلّ جانب، حتّي لقد وطي ء الحسنان، و شقّ عطفاي، مجتمعين حولي كربيضة الغنم. فلمّا نهضت بالأمر نكثت طائفة، و مرقت أخري، و قسط آخرون: كأنّهم لم يسمعوا اللّه سبحانه يقول: «تلك الدّار الآخرة نجعلها للّذين لا يريدون علوّا في الأرض و لا فسادا، و العاقبة للمتّقين» بلي و اللّه لقد سمعوها و وعوها، و لكنّهم حليت الدّنيا في أعينهم، وراقهم زبرجها أما و الّذي فلق الحبّة، و برأ النّسمة، لو لا حضور الحاضر، و قيام الحجّة بوجود النّاصر، و ما أخذ اللّه علي العلماء ألّا يقارّوا علي كظّة ظالم، و لا سغب مظلوم، لألقيت حبلها علي غاربها، و لسقيت آخرها بكأس أوّلها، و لألفيتم دنياكم هذه أزهد عندي من عفطة عنز،

خدا کی قسم اس (ابو بکر) نے لباس خلافت کو پہن لیا، حالانکہ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا میری حیثیت حکومت اسلامی میں ایسے ہے جیسے چکی میں گھومانے والی لکڑی و محور کی ہوتی ہے، (وہ جانتا تھا کہ) میرے وجود کی بلندیوں سے علم و فضیلت کے چشمے پوٹھتے ہیں اور بلند پرواز پرندے میرے بلند افکار تک پرواز نہیں کر سکتے، پس میں نے خلافت کے لباس کو چھوڑ دیا اور اپنے دامن کو اس سے الگ کر لیا ہے، اس حالت میں کہ اس سوچ میں تھا کہ بے یار و مددگار تنہا اپنے حق کے لیے قیام کروں اور یا تو اس تاریک و ظلمانی حالات پر صبر کروں کہ یہ ایسے حالات تھے کہ جس میں (غم و غصے سے) بڑے، بوڑھے اور جوان، بڑے ہو جاتے ہیں، آخر کار میں بردباری و صبر کرنے میں ہی عقل مندی دیکھی، لہذا میں نے ایسے صبر کیا کہ جیسے میری آنکھ میں کانٹا ہو اور گلے میں ہڈی پھنسی ہو، میں اپنی آنکھوں سے اپنی میراث کو لوٹتا دیکھتا رہا، یہاں تک کہ پہلا (ابو بکر) گزر گیا (مر گیا)، اس نے اپنے بعد خلافت کو ابن خطاب کے حوالے کر دیا، حیرت انگیز ہے کہ وہ (ابو بکر) اپنی زندگی میں (میرے ہونے کیوجہ سے) لوگوں سے یہی کہتا رہا کہ خلافت کو مجھ سے دور کر لو، اسکے باوجود مرتے وقت وہ خلافت کو کسی دوسرے کے نکاح میں دے گیا، کتنا عجیب ہے کہ ان دونوں (ابو بکر و عمر) باری باری خلافت سے فائدے اٹھائے۔

اس (ابو بکر) نے خلافت کے ایسے شخص کے حولے کر دیا کہ جو بد اخلاق، تند خو، سختگیر تھا، وہ ایسے شتر سوار کی مانند تھا کہ اگر لگام کو زور سے کھینچے تو اسکی ناک زخمی ہو جاتی اور اگر لگام کو ڈھیلا چھوڑے تو اسکو زمین پر گرا دیتا۔

خدا کی قسم لوگ عجیب و غریب مصیبت میں مبتلا ہو چکے تھے اور اس طولانی مدت میں میرے پاس بھی صبر کرنے کے سوا کوئی چارا نہیں تھا، آخر کار وہ (عمر) بھی جاتا رہا اور خلافت کو شوریٰ کے حوالے کر گیا، اپنے گمان کے مطابق مجھے شوریٰ میں قرار دے گیا، میں اس شوریٰ سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، میں پہلے ہی کب انکے پہلے شخص کی مانند تھا کہ اب مجھے اس شوریٰ میں موجود افراد کے برابر لا کھڑا کیا ہے، لیکن اسکے باوجود بھی میں نے تحمل کا مظاہرہ کیا اور انکے ساتھ شوریٰ میں بیٹھ گیا، شوریٰ میں موجود بعض افراد نے کینے کیوجہ سے مجھ سے منہ موڑ لیا اور بعض نے رشتے داری کو حق و حقیقت پر ترجیح دی، آخر کار تیسرا بھی آگے آیا (یعنی عثمان خلیفہ بنا دیا گیا) وہ بھی زیادہ کھانے والے اور بڑے پیٹ والے اونٹ کی طرح تھا کہ جسکا کام صرف بیت المال کو جمع کرنا اور کھانا تھا، اسکے والد کے رشتے دار بھی اس (عثمان) کے ساتھ مل گئے، وہ بھی بھوکے اونٹ کی طرح کہ جو گھاس پر ٹوٹ کر پڑتے ہیں، انھوں نے اموال خدا کو کھانے کے لیے آستینوں کو اوپر کر لیا۔

آخر کار اسکے اپنی خلافت کے ارکان کو مستحکم کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور اسکی بد کرداری نے اسکے کام کو خراب کر دیا اور اسکا سب مال و ثروت نابود ہو گیا۔ پھر ایک فراوان ہجوم نے مجھے خلافت کو قبول کرنے کے لیے مجبور کیا، ان سب نے مجھے ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا، رش کی یہ حالت تھی کہ نزدیک تھا کہ میرے دونوں نور چشم میرے بچے، رسول خدا (ص) کی یادگار حسن و حسین پاؤں تلے روندے جاتے، اس رش کے

دھکوں سے میرے دونوں پہلوؤں پر بھی زور پڑا، میری عبادونوں طرف سے پھٹ گئی، لوگوں نے بھیڑوں کی طرح مجھے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا، لیکن اسکے باوجود بھی جب میں نے خلافت کو قبول کر لیا، بعض نے بیعت شکنی کی، بعض نے میری بیعت واطاعت کرنے سے انکار کر دیا اور دین سے خارج ہو گئے، بعض نے دنیا طلبی اور خلافت وریاست کے لیے حق سے منہ موڑ لیا (جنگ صفین کو وجود میں لائے) گویا انھوں نے خداوند کے فرمان کو سنا ہی نہیں تھا کہ : میں نے آخرت کو انکے لیے قرار دیا ہے کہ جو زمین پر اہل فساد اور سرکشی کرنے والے نہ ہوں۔۔۔۔۔

سورہ قصص آیت ۸۳

انھوں نے اچھی طرح سے اس آیت کو سنا تھا اور حفظ بھی کیا تھا لیکن دنیا کی زرق و برق کے دھوکے میں آ گئے تھے۔

آگاہ ہو جاؤ اس خدا کی قسم کہ جس نے دانے میں شگاف ایجاد کیا ہے اور انسان کو خلق کیا ہے، اگر اتنا ہجوم میرے پاس حاضر نہ ہوتا اور مدد کرنے والوں کے ذریعے سے میرے لیے اتمام حجت نہ ہوئی ہوتی اور اگر خداوند نے علماء سے عہد نہ لیا ہوتا کہ ظالمین کی شکم پری اور مظلومین کی بھوک پر سکوت نہ کریں تو میں خلافت کے اونٹ کی لگام کو آزاد چھوڑ دیتا اور اس سے منہ موڑ لیتا اور پھر تم لوگ اچھی طرح سے جان لیتے کہ تمہاری یہ دنیا اپنی تمام تر رنگینیوں کے ساتھ میری نظر میں بکری کی ناک سے نکلنے والے پانی سے بھی زیادہ حقیر و پست ہے۔

3- خطبہ چھ میں رسول خدا(ص) کی وفات کے بعد سے لے کر اپنی حکومت آنے تک اپنے حق کے غصب ہونے پر تاکید فرمائی ہے:

فو الله ما زلت مدفوعا عن حقّي، مستأثرا عليّ، منذ قبض الله نبيّه صلّي الله عليه و سلّم حتّي يوم النّاس هذا.

خدا کی قسم رسول خدا(ص) کی وفات سے لے کر اب تک میں اپنے حق سے محروم رہا ہوں اور دوسروں کو ناجائز طریقوں سے مجھ پر مقدم کیا جاتا رہا ہے۔

4- حضرت امیر (ع) نے خطبہ 73 میں حکومت کے لیے اپنے آپکو سب سے مناسب اور حکومت کو اپنا حق قرار دیا ہے:

لقد علمتم أنّي أحقّ النّاس بها من غيري، و و الله لأسلمنّ ما سلمت أمور المسلمين، و لم يكن فيها جور إلّا عليّ خاصّة، التماسا لأجر ذلك و فضله، و زهدا فيما تنافستموه من زخرفه و زبرجه،

تم بہتر جانتے ہو کہ میں خلافت کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہوں اور خدا کی قسم مسلمین کے حالات بہتر ہونے تک اور اپنے علاوہ کسی دوسرے پر ظلم نہ ہونے تک میں ایسے ہی چپ رہوں گا اور یہ کام میں خداوند سے اجر و ثواب لینے کے لیے کروں گا۔

5-خطبہ 150 میں فرمایا: جب رسول خدا(ص) دنیا سے گئے تو بعض لوگ دین سے خارج ہو کر انکے اہل بیت سے دور ہو گئے۔

في الضلال

منها: و طال الأمد بهم ليستكملوا الخزي، و يستوجبوا الغير ، حتّي إذا اخلولق الأجل ، و استراح قوم إلي الفتن، و أشالوا عن لقاح حربهم، لم يمنّعوا علي الله بالصّبر، و لم يستعظموا بذل أنفسهم في الحقّ، حتّي إذا وافق وارد القضاء انقطاع مدّة البلاء، حملوا بصائرهم علي أسيافهم ، و دانوا لربّهم بأمر واعظهم، حتّي إذا قبض الله رسوله صلّي الله عليه و آله، رجع قوم علي الأعقاب، و غالتهم السّبل، و اتّكلوا علي الولائج ، و وصلوا غير الرّحم، و هجروا السّبب الّذي أمروا بمودّته، و نقلوا البناء عن رصّ أساسه، فبنوه في غير موضعه. معادن كلّ خطيئة، و أبواب كلّ ضارب في غمرة. قد ماروا في الحيرة، و ذهلوا في السّكرة، علي سنّة من آل فرعون: من منقطع إلي الدّنيا راكن، أو مفارق للدّين مباين.

اس خطبے کا دوسرا حصہ میں رسول خدا(ص) کے گمراہ دشمنوں، بعض ضعیف ایمان اور بعض حقیقی مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ گروہ اول: انکو بہت طولانی مہلت دی گئی تا کہ اپنی رسوائی و ذلت کو انتہائی حد تک پہنچالیں تا کہ نعمتوں کے زائل ہونے کے مستحق ہو جائیں، یہاں تک کہ انکی موت کا وقت آن پہنچا۔

بعض ضعیف ایمان افراد آرام و آسائش کے لیے ان فتنوں کا ساتھ دینے لگے اور راہ حق میں جہاد کرنا ترک کر دیا۔

لیکن حقیقی مسلمان افراد نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور انھوں نے اپنے صبر و استقامت سے خداوند پر کوئی احسان نہیں کیا اور نہ ہی اس جانبازی کو بڑا شمار کیا ہے، یہاں تک کہ انھوں نے خداوند کی آزمائش کے حکم کو انجام دیا، انھوں نے معرفت و بصیرت کو اپنی شمشیروں پر اٹھایا ہوا تھا۔۔۔۔

یہاں تک کہ خداوند نے اپنے رسول کو اپنے پاس واپس بلا لیا، بعض لوگ زمانہ جاہلیت کی طرف واپس پلٹ گئے اور اختلاف و تفرقے نے انھیں ہلاک کر دیا اور انھوں نے غیر خدا پر بھروسہ کیا اور رسول خدا کے اہل بیت کے علاوہ دوسروں سے ناطہ جوڑ لیا اور جس وسیلے سے انکو محبت کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اس سے انھوں نے منہ موڑ لیا، ایسے لوگ تمام برائیوں کی جڑ ہیں اور یہ تمام گمراہوں اور باطل عقیدے والوں کے راہنما ہیں، وہ سرگردانی میں غرق ہو گئے ہیں اور اپنی مستی میں دیوانہ وار آل فرعون کے طریقے پر چل پڑے ہیں۔

بعض دوسرے افراد صرف دنیاداری میں لگ گئے اور اسی پر اعتماد کرنے لگے اور یا وہ صاف واضح طور پر دین سے جدا ہو گئے۔

6- حضرت امیر (ع) نے نہج البلاغہ میں اپنے سے پہلے خلفاء کو اہل شر قرار دیا ہے کہ جھنوں نے ہوائے نفس پر عمل کیا اور گمراہ ہو گئے:

فإن هذا الدين قد كان أسيرا في أيدي الأشرار يعمل فيه بالهوي و تطلب به الدنيا،

بے شک یہ دین اہل شر لوگوں کے ہاتھوں میں اسیر تھا کہ اس میں وہ ہوائے نفس کے مطابق عمل کرتے تھے اور اس دین سے دنیا کو ہاتھ میں لاتے تھے۔

حضرت امیر (ع) کے ان تمام خطبات کے مقابلے پر انھوں نے اپنے باطل عقیدے پر ان حضرت کے بعض دوسرے خطبوں سے استدلال کیا ہے:

1. خطبہ نمبر 228 نہج البلاغہ:

لِلَّهِ بِلَادُ فُلَانٍ (بلاء فلان) فَقَدْ قَوَّمَ الْأَوَدَ وَدَاوَي الْعَمَدَ وَأَقَامَ السُّنَّةَ وَخَلَّفَ الْفِتْنَةَ. ذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ قَلِيلَ الْعَيْبِ أَصَابَ خَيْرَهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا أَدَّي إِلَي اللَّهِ طَاعَتَهُ وَاتَّقَاهُ بِحَقِّهِ. رَحَلَ وَتَرَكَهُمْ فِي طُرُقٍ مُتَشَعِّبَةٍ لَا يَهْتَدِي فِيهَا الضَّالُّ وَلَا يَسْتَيْقِنُ الْمُهْتَدِي.[١]

خداوند فلاں کے شہروں کو برکت دے اور حفظ کرے کہ اس نے غلط رسوم کو صحیح ، بیماریوں کا علاج ، سنت رسول خدا کو قائم اور فتنوں کو ختم کیا۔وہ پاک دامن اور کم عیوب کے ساتھ دنیا سے چلا گیا،اس نے دنیا کی نیکیوں کو پالیااور اسکی برائیوں سے آزاد ہو گیا ہے،خداوند کی نسبت اپنے فرائض کو اس نے انجام دیا ہے کیونکہ وہ عذاب الہی سے ڈرتا تھا۔

وہ خود تو چلا گیااور لوگوں کو گروہ گروہ چھوڑ کر گیا ہے نہ کہ گمراہ،اس نے اپنی راہ کو پہچان لیا تھا نہ یہ کہ وہ پہلے سے ہی ہدایت شدہ تھا۔

مخالفین نے کہا ہے کہ حضرت علی (ع) نے اس خطبے میں عمر یاابو بکر کی بہت تعریف کی ہے،پس وہ حضرت ان دونوں کو خلیفہ بننے کے قابل سمجھتے تھے اور انھوں نے انکی بیعت اپنی رضایت سے کی تھی۔

ابن ابی الحدید نے کہا ہے:

إذا اعترف أمير المؤمنين بأنه أقام السنة، وذهب نقي الثوب، قليل العيب، وأنه أدي إلي الله طاعته، واتقاه بحقه، فهذا غاية ما يكون من المدح.[۲]

اگر امیر المؤمنین اعتراف کریں کہ (عمر) نے سنت کو قائم کیا ہے اور پاک دامن و کم عیوب کے ساتھ دنیا سے گیا ہے اور پروردگار کی عبادت انجام دی ہے اور وہ بہت متقی تھا،تو یہ انتہائی مدح و تعریف شمار ہو گی۔

محمد عبدہ نے بھی بیان کیا ہے کہ ‹‹فلان›› سے کیا مراد ہے:

أي عمر علي الارجح.[٣]

یہاں پر بہت زیادہ احتمال ہے کہ ‹‹فلان›› سے مراد عمر ہے۔

جواب اور تحقیق:

1- جو نہج البلاغہ میں ذکر ہوا ہے، وہ لفظ ‹‹فلان›› ہے، لیکن اس ‹‹فلان›› سے کیا مراد ہے، یہ خود نہج البلاغہ سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ کتاب نہج البلاغہ کے شارحین نے بھی اس بارے میں متعدد رائے کا اظہار کیا ہے،

بہر حال اس لفظ کی تفسیر میں چار احتمال پائے جاتے ہیں:

1- مراد عمر ہے،

2- عثمان اور اسکی مذمت کی طرف اشارہ ہے،

3- مراد عمر ہے اور تقیہ کی وجہ سے اسکے بارے میں ایسا کہا گیا ہے،

4- حضرت علی (ع) کے بعض اصحاب مراد ہیں،

2- لفظ ‹‹فلان›› سے مراد عمر یا ابو بکر نہیں ہیں،

اہل سنت اور خاص طور پر ابن ابی الحدید معتزلی معتقد ہے کہ اس لفظ «فلان» سے مراد خلیفہ دوم عمر ابن خطاب ہے۔

بلاشک ابن ابی الحدید اور محمد عبدہ کہ جو ہر دو سنی ہیں، کی بات ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور کسی چیز کو ثابت نہیں کرتی، خاص طور پر کہ یہی روایت اہل سنت کی کتب میں مغیرۃ ابن شعبہ سے نقل ہوئی ہے۔

واضح ہے کہ ان دونوں نے اپنے عقیدے کے مطابق لفظ «فلان» کی عمر ابن خطاب سے تفسیر کی ہے۔

اہل سنت اگر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ امیر المؤمنین علی (ع) کے جملات، عمر کے بارے میں ہیں تو انکو تین مقدمات کو ثابت کرنا پڑے گا:

1. ان کلمات کا کہنے والا حضرت امیر ع ہے،

2. لفظ «فلان» سے مراد عمر ہے،

3. حضرت امیر (ع) کی مراد ان کلمات سے عمر کی تعریف کرنا تھا،

حالانکہ سب نے اس بارے میں دلیل ابن ابی الحدید کا قول ذکر کیا ہے اور یہ قول بھی شیعہ اور حتی اہل سنت کو بھی علمی لحاظ سے قانع نہیں کر سکتا۔

ابن ابی الحدید کی رائے پر اشکال:

ابن ابی الحدید نے اس خطبے کی شرح میں لکھا ہے:

وقد وجدت النسخة التي بخط الرضي أبي الحسن جامع نهج البلاغة وتحت فلان عمر، حدثني بذلك فخار بن معد الموسوي الأودي الشاعر، وسألت عنه النقيب أبا جعفر يحيي بن أبي زيد العلوي، فقال لي: هو عمر، فقلت له: أيثني عليه أمير المؤمنين رضي الله عنه هذا الثناء؟ فقال: نعم... فإذا اعترف أمير المؤمنين بأنه أقام السنة، وذهب نقي الثوب، قليل العيب، وأنه أدي إلي الله طاعته، واتقاه بحقه، فهذا غاية ما يكون من المدح.

نہج البلاغہ کے مؤلف سید رضی کا ایک جمع کردہ نسخہ دیکھا گیا ہے کہ اس میں لفظ «فلان» کے نیچے، عمر لکھا ہوا تھا۔ اس بات کو میرے لیے فخار ابن معد الموسوی شاعر نے نقل کیا ہے۔ میں نے ابو جعفر نقیب سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: اس لفظ سے مراد، عمر ہے، میں نے کہا: کیا امیر المؤمنین نے عمر کی ایسے تعریف کی ہے؟ اس نے کہا: ہاں،

جب امیر المؤمنین اعتراف کریں کہ (عمر) نے سنت کو قائم کیا ہے اور پاک دامن و کم عیوب کے ساتھ دنیا سے گیا ہے اور پروردگار کی عبادت انجام دی ہے اور وہ بہت متقی تھا، تو یہ بالاترین درجے کی مدح و تعریف شمار ہو گی۔

الف: ابن ابی الحدید نے مکمل چالاکی سے اپنے کلام کی ابتداء میں ایسے ظاہر کروایا ہے کہ ہر پڑھنے والا فوراً یہ یقین کر لے کہ اس نے خود سید رضی کا لکھا ہوا نسخہ دیکھا ہے کہ اس (سید رضی) نے لفظ «فلان» کے ساتھ عمر لکھا ہوا ہے اور اگر کوئی ابن ابی الحدید کی عبادت کا دوسرا جملہ نہ پڑھے تو وہ گمان کرے گا کہ عبارت ایسے ہے: «وَجَدتُ» یعنی میں نے خود دیکھا ہے، لیکن جب اسکی عبارت میں اچھی طرح سے غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لفظ «وُجِدَت» کہا ہے یعنی اس نسخے میں دیکھا گیا ہے، (یعنی میں نے خود نہیں دیکھا کسی دوسرے نے دیکھا ہے اور اس نے مجھے بتایا ہے)۔

ب: سید رضی (رہ) اپنے رائے کو عبارت کی لائن کے اندر امام (ع) کے کلام کی تشریح کے عنوان سے لکھتا ہے نہ کہ عبارت کے نیچے۔

اگر کوئی اہل علم شخص پرانی کتب کے خطی نسخوں سے آشنائی رکھتا ہو تو جانتا ہے کہ معمولاً ان کتب کے صفحات پر جو اضافی طور پر لکھا جاتا ہے، یہ انکی طرف سے ہوتا ہے کہ جنکے پاس وہ کتاب موجود ہوتی ہے اور نہج البلاغہ کا یہ

نسخہ جسکے اختیار میں تھا، اس نے گمان کیا ہے کہ لفظ «فلان» سے مراد عمر ابن خطاب ہے، لہذا اس نے اپنی طرف سے بغیر کسی دلیل کے، عمر لکھ دیا ہے، پس ایسے مطالب کا خود مؤلف کی طرف نسبت دینا، دلیل و ثبوت کا محتاج ہے۔

3- اگر لفظ «فلان» سے مراد عمر ہو تو اسکے بارے میں ایسی بات کرنے کا سبب واضح نہیں ہے کیونکہ شاید یہ بات تقیہ یا کنائۓ (اشارہ) کے طور پر کسی دوسرے شخص کے لیے یہ بات کی گئی ہو جیسے عثمان کہ اس بارے میں تفصیل ذیل میں ذکر ہو گی۔

4- حضرت امیر (ع) کی یہ بات، خود ان حضرت کے خلفاء کے بارے میں دوسرے کلمات کے ساتھ منافات و تضاد رکھتی ہے۔ چند موارد کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جا رہا ہے:

الف: مسلم نیشاپوری نے کتاب صحیح مسلم میں امیر المؤمنین علی (ع) کی ابو بکر و عمر کے بارے میں صحیح و درست رائۓ بیان کی ہے، عمر نے امیر المؤمنین (ع) اور عباس عموی پیغمبر (ص) سے کہا:

ثُمَّ تُوُفِّيَ أَبُو بَكْرٍ وَأَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ -صلي الله عليه وسلم- وَوَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ فَرَأَيْتُمَانِي كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا.[٤]

ابو بکر کی وفات کے بعد میں رسول خدااور ابو بکر کا جانشین بن گیا، تم دونوں نے مجھے خائن، جھوٹا، مکار اور گناہکار کہا۔

ب: عبد الرزاق صنعانی نے بھی صحیح سند کے ساتھ عمر سے نقل کیا ہے کہ عمر نے عباس اور امیر المؤمنین علی (ع) سے کہا کہ تم دونوں مجھے ظالم اور فاجر کہتے ہو:

ثم وليتها بعد أبي بكر سنتين من إمارتي فعملت فيها بما عمل رسول الله (ص) وأبو بكر وأنتما تزعمان أني فيها ظالم فاجر... .[5]

میں نے ابو بکر کے بعد دو سال حکومت کی اور رسول خدا اور ابو بکر کی سیرت و سنت کو جاری رکھا، لیکن تم دونوں مجھے ظالم اور فاجر کہتے ہو۔

ج: امیر المؤمنین علی (ع) عمر کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے:

بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے کہ علی (ع) نے حضرت زہرا (س) کی شہادت کے بعد کسی کو ابو بکر کو اپنے پاس بلانے کے لیے بھیجا اور خاص طور سے کہا کہ عمر کو اپنے ساتھ لے کر نہ آئے کیونکہ وہ حضرت عمر کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے:

«فَأَرْسَلَ إِلَي أَبِي بَكْرٍ أَنِ ائْتِنَا، وَلاَ يَأْتِنَا أَحَدٌ مَعَكَ، كَرَاهِيَةً لِمَحْضَرِ عُمَرَ».[6]

د: امیر المؤمنین علی (ع) کو بداخلاق، تند خو اور بہت غلطیاں کرنے والا جانتے تھے:

خطبہ شقشقیہ میں عمر کے بارے میں فرمایا:

فَصَيَّرَهَا فِي حَوْزَةٍ خَشْنَاءَ يَغْلُظُ كَلْمُهَا وَ يَخْشُنُ مَسُّهَا وَ يَكْثُرُ الْعِثَارُ فِيهَا وَ الِاعْتِذَارُ مِنْهَا. فَصَاحِبُهَا كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ إِنْ أَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ وَ إِنْ أَسْلَسَ لَهَا تَقَحَّمَ. فَمُنِيَ النَّاسُ لَعَمْرُ اللَّهِ بِخَبْطٍ وَ شِمَاسٍ وَ تَلَوُّنٍ وَ اعْتِرَاضٍ.

سرانجام پہلے (ابو بکر) نے حکومت کو ایسے شخص کے حوالے کیا کہ جو غصے، سختگیری، غلطیوں اور بار بار معذرت کرنے والی چیزوں کا مجموعہ تھا،

جیسے ایسا سوار کہ جو ایک سرکش اونٹ پر سوار ہو، اگر اسکی لگام کو زور سے کھینچے تو اس حیوان کی ناک زخمی ہو جاتی ہے اور اگر لگام کو ڈھیلا چھوڑ دے تو وہ حیوان اسے زمین پر پٹخ دے گا۔

خدا کی قسم لوگ (عوام) عمر کے دور حکومت میں عجیب قسم کی زحمت و مصیبت میں مبتلا تھے، لوگ منافقت اور اعتراض کا شکار تھے۔

ه: امیر المؤمنین علی (ع) شیخین (ابو بکر و عمر) کی سیرت کو قابل عمل نہیں جانتے تھے:

اگرامیر المؤمنین علی (ع) کا اعتقاد تھا کہ عمر نے سنت کو قائم کیا تھا تو پھر جب چھ افراد پر مشتمل شورا میں عبد الرحمن ابن عوف نے خلافت قبول کرنے کی ایک شرط سیرت شیخین پر عمل کرنے کو قرار دیا تو ان حضرت نے اس شرط پر عمل کرنے کا سختی سے انکار کر دیا اور شیخین کی سیرت پر عمل نہ کرنے کیوجہ سے دوبارہ پورے 12 سال خلافت سے محروم رہے!

یعقوبی نے لکھا ہے:

وخلا بعلي بن أبي طالب، فقال: لنا الله عليك، إن وليت هذا الامر، أن تسير فينا بكتاب الله وسنة نبيه وسيرة أبي بكر وعمر. فقال: أسير فيكم بكتاب الله وسنة نبيه ما استطعت. فخلا بعثمان فقال له: لنا الله عليك، إن وليت هذا الامر، أن تسير فينا بكتاب الله وسنة نبيه وسيرة أبي بكر وعمر. فقال: لكم أن أسير فيكم بكتاب الله وسنة نبيه وسيرة أبي بكر وعمر، ثم خلا بعلي فقال له مثل مقالته الأولي، فأجابه مثل الجواب الأول، ثم خلا بعثمان فقال له مثل المقالة الأولي، فأجابه مثل ما كان أجابه، ثم خلا بعلي فقال له مثل المقالة الأولي، فقال: إن كتاب الله وسنة نبيه لا يحتاج معهما إلي إجيري أحد. أنت مجتهد أن تزوي هذا الامر عني. فخلا بعثمان فأعاد عليه القول، فأجابه بذلك الجواب، وصفق علي يده.[٧]

عبدالرحمن ابن عوف نے علی ابن ابی طالب (ع) سے کہا: ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ کتاب خدا، سنت مصطفی اور سنت ابو بکر و عمر کے مطابق عمل کرو تو، اس پر امام علی (ع) نے فرمایا: جتنا میرے لیے ممکن ہو سکا میں صرف اور صرف کتاب خدا اور سنت مصطفی کے مطابق عمل کروں گا۔

عبدالرحمن ابن عوف نے بالکل یہی بات عثمان سے کہی: ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ کتاب خدا، سنت مصطفی اور سنت ابو بکر و عمر کے مطابق عمل کرو تو، اس پر عثمان نے خلافت حاصل کرنے کے لیے جواب دیا:

میں کتاب خدا، سنت رسول اور سنت ابو بکر و عمر کے مطابق تم لوگوں میں عمل کروں گا،

عبدالرحمن دوبارہ امام علی (ع) کے پاس گیا اور وہی شرط دوہرائی اور ان حضرت سے وہی پہلے والا جواب سنا، پھر وہ دوبارہ عثمان کے پاس گیا اور اس سے وہی شرط دوبارہ کہی تو اس نے پھر فورا قبول کر لیا، پھر عبدالرحمن تیسری مرتبہ امام علی (ع) کے پاس گیا اور وہی بات کہی، اس پر امام (ع) نے فرمایا:

جب کتاب خدا اور سنت مصطفی ہمارے پاس ہے تو پھر ہمیں کسی دوسرے کی سنت و روش کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تم اصل میں خلافت کو مجھ سے دور کرنا چاہتے ہو۔

عبدالرحمن پھر تیسری مرتبہ عثمان کے پاس گیااور پہلے والی بات کا تکرار کیااور عثمان نے وہی جواب دیا۔ یہ سن کر عبدالرحمن نے عثمان کا ہاتھ پکڑ کر اسکی بیعت کر کے اسے عمر کے بعد خلیفہ انتخاب کر لیا۔

احمد ابن حنبل نے بھی اپنی کتاب مسند میں عبدالرحمن ابن عوف کی زبان سے ایسے نقل کیا ہے:

عن أبي وائل قال قلت لعبد الرحمن بن عوف كيف بايعتم عثمان وتركتم عليا رضي الله عنه قال ما ذنبي قد بدأت بعلي فقلت أبايعك علي كتاب الله وسنة رسوله وسيرة أبي بكر وعمر رضي الله عنهما قال فقال فيما استطعت قال ثم عرضتها علي عثمان رضي الله عنه فقبلها.[۸]

ابو وائل کہتا ہے میں نے عبدالرحمن ابن عوف سے کہا: کیا ہوا ہے کہ عثمان کی بیعت ہو گئی ہے اور علی کی بیعت نہیں ہوئی؟

عبدالرحمن نے کہا: اس میں میرا کیا قصور ہے، میں نے تو علی (ع) سے کہا تھا کہ میں تمہاری بیعت کرتا ہوں، اس شرط کے ساتھ کہ تم کتاب خدا، سنت رسول اور سنت ابو بکر و عمر پر عمل کرو، علی (ع) نے فرمایا: جو میں کر سکا اس حد تک کروں گا، یہی بات و شرط میں نے عثمان کو بتائی تو اس نے فوراً قبول کر لیا۔

امام علی (ع) کی بات کا یہ معنی ہے کہ کتاب خدا اور سنت مصطفی میں کوئی کمی و نقص نہیں ہے کہ جو دوسروں کی سیرت کو بھی انکے ساتھ ملایا جائے، یعنی میں ابو بکر و عمر کی سیرت کو شرعی نہیں سمجھتا کہ اسے اسلام کا حصہ بناؤں!

و: حضرت امیر (ع) نے اپنی ظاہری حکومت کے دور میں جب ربیعۃ ابن ابو شداد خثعمی نے کہا کہ میں اس صورت میں تمہاری بیعت کروں گا کہ تم ابو بکر و عمر کی سنت پر عمل کرو، ان حضرت نے صاف انکار کرتے ہوئے فرمایا:

ويلك لو أن أبا بكر وعمر عملا بغير كتاب الله وسنة رسول الله صلي الله عليه وسلم لم يكونا علي شئ من الحق فبايعه... .[٩]

افسوس ہے تم پر! اگر ابو بکر و عمر نے کتاب خدا اور سنت رسول خدا کے بر خلاف عمل کیا ہو تو اس صورت میں انکی سنت کی اہمیت ہی کیا ہے کہ میں اس پر عمل کروں یا عمل نہ کروں؟!

اس طرح کی بہت سی مثالیں شیعہ اور سنی کتب میں مذکور ہیں لیکن ہم صرف ان چند نمونوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔

اب ان مذکورہ مطالب کی روشنی میں باضمیر اور علمی بصیرت رکھنے والے افراد سے سوال ہے کہ: یہ کیسے قبول کیا جاسکتاہے کہ لفظ «فلان» سے مراد، عمر ہے، حالانکہ امیر المؤمنین علی (ع) عمر کی سنت پر عمل کرنا تو دور کی بات ہے، وہ حضرت تو اسکی سیرت کو شرعی و دینی ہی نہیں سمجھتے اور حتی وہ تو عمر کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے؟!

کیسے تعریف کے یہ الفاظ« قوم الأود، داوي العمد، أقام السنة، خلفه الفتنة، نقي الثوب، قليل العيب و... » صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور عمر کے بارے میں الفاظ: جھوٹا، مکار، خیانت کار، گناہ گار، ظالم، ستمگر، فاجر، سختگیر و۔۔۔ کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں؟

کیا ممکن ہے کہ امیر المؤمنین علی (ع) جیسا فصیح و بلیغ انسان ایک ہی شخص کے بارے میں ایسی متضاد و مخالف صفات کو ذکر کرے؟!

5-شاید امام علی (ع) کا کلام عثمان اور اسکی مذمت کے بارے میں تھا:

ابن ابی الحدید نے نقیب ابو جعفر يحيي بن ابي زید کا کلام نقل کرتے ہوئے کہا ہے:

واما الجارودية من الزيدية فيقولون: انه كلام قاله في أمر عثمان أخرجه مخرج الذم له، والتنقص لأعماله، كما يمدح الآن الأمير الميت في أيام الأمير الحي بعده، فيكون ذلك تعريضا به.[۱۰]

«جارودیہ» کہ جو «زیدیہ» کا ایک گروہ ہے، یہ معتقد ہیں کہ امام علی (ع) کا یہ کلام عثمان کے بارے میں ہے اور انھوں نے عثمان کی مذمت کرتے ہوئے اسکے غلط کاموں پر اعتراض کیا ہے، جیسے دنیا سے جانے والے حاکم کے بعد اسکی زندہ حاکم کے زمانے میں تعریف کی جاتی ہے، پس یہ کلام عثمان کی طرف اشارہ ہے۔

ایسے کنائے اور اشارے لوگ آج کل اپنے محاورات میں بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں، جیسے اس دور میں اہل عراق کہتے ہیں: خدا صدام پر رحمت کرے، تو انکی ان الفاظ سے مراد امریکی فوج کی مذمت کرنا ہوتا ہے کہ جو عراق میں قتل و غارت کر رہے ہیں۔

اس رائے کے بھی بعض افراد قائل ہیں لیکن کیونکہ یہ کوئی زیادہ پختہ دلیل نہیں ہے، اس لیے اسے یقین و اطمینان کے ساتھ قبول نہیں کیا جا سکتا۔

اسکے علاوہ یہ رائے، امیر المؤمنین علی (ع) کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور عمر کے بارے میں رائے سے تضاد رکھتی ہے کیونکہ بالکل ممکن نہیں ہے کہ حتی عثمان کی مذمت کی خاطر، امیر المؤمنین علی (ع) عمر کی ان الفاظ میں مدح و تعریف کریں۔

5- لفظ «فلان» سے مقصود، امام علی (ع) کے اپنے اصحاب و انصار ہیں:

کتاب نہج البلاغہ کے بعض شارحین اور بعض شیعہ و سنی علماء نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ لفظ «فلان» سے مراد، حضرت علی (ع) کا اپنا ایک صحابی ہے۔

سنی عالم صبحی صالح نے اس خطبے کے عنوان کے بارے میں کہا ہے:

من كلامه عليه السلام: ما يريد به بعض أصحابه.[۱۱]

کلام علی (ع) کہ اس میں انھوں نے اپنے ایک صحابی کی مدح کی ہے۔

شیعہ عالم قطب الدین راوندی بھی قائل ہے کہ لفظ «فلان» سے مراد ان حضرت کے بعض صحابی ہیں:

وروي «بلاء فلان» أي صنيعه وفعله الحسن، مدح بعض أصحابه بحسن السيرة وأنه مات قبل الفتنة التي وقعت بعد رسول الله صلي الله عليه و آله من الاختيار و الايثار.[۱۲]

«بلاء فلان» یعنی وہ کام کہ جو اس نے انجام دیئے ہیں، وہ اچھے و نیک کام ہیں، امیر المؤمنین علی (ع) نے ان الفاظ سے اپنے بعض نیک سیرت اصحاب کی تعریف ہے اور یہ شخص رسول خدا (ص) کی وفات کے بعد ہونے والے فتنے سے پہلے ہی دنیا سے چلا گیا تھا۔

قطب راوندی نے نہج البلاغہ کو شیخ عبدالرحیم بغدادی المعروف «ابن الاخوۃ» سے اور اس نے اسے سید مرتضی کی بیٹی سے اور اس نے اسے اپنے چچا «شریف رضی» سے نقل کیا ہے، اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ قطب راوندی دوسروں کی نسبت نہج البلاغہ کے مفاہیم سے زیادہ آشنائی رکھتا ہے۔

6- ممکن ہے لفظ «فلان» سے مراد مالک اشتر ہو:

شارح نہج البلاغہ میرزا حبیب اللہ خوئی نے قطب راوندی کے کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

و عليه فلا يبعد أن يكون مراده عليه السّلام هو مالك بن الحرث الأشتر، فلقد بالغ في مدحه و ثنائه في غير واحد من كلماته. مثل ما كتبه إلي أهل مصر حين ولي عليهم مالك حسبما يأتي ذكره في باب الكتب تفصيلا إنشاء الله.

و مثل قوله عليه السّلام فيه لما بلغ إليه خبر موته: مالك و ما مالك لو كان من جبل لكان فندا، و لو كان من حجر لكان صلدا، عقمت النساء أن يأتين بمثل مالك.

بل صرّح في بعض كلماته بأنّه كان له كما كان هو لرسول الله صلّي الله عليه و آله و سلّم و من هذا شأنه فالبتّة يكون أهل لأن يتّصف بالأوصاف الاتية بل بما فوقها.[۱۳]

بعید نہیں ہے کہ امام علی (ع) کی مراد مالک اشتر ہو کیونکہ ان حضرت نے متعدد مقامات پر اسکی بہت زیادہ تعریف کی ہے، جیسے مالک اشتر کو اہل مصر پر والی بناتے وقت وہاں کے لوگوں کے نام خط لکھا۔

یا جیسے ان حضرت نے مالک اشتر کی وفات کی خبر سننے پر فرمایا:

مالک، ہاں وہ ایسا مالک تھا کہ خدا کی قسم اگر وہ پہاڑ ہوتا تو بہت بلند و بالا ہوتا اور اگر پتھر ہوتا تو سخت و محکم ہوتا، اب عورتیں اس جیسے بیٹے کو جنم دینے سے عاجز ہیں۔

یا ان حضرت نے واضح فرمایا ہے کہ وہ میرے لیے ایسا ہی تھا کہ جیسے میں، رسول خدا کے لیے تھا۔

لفظ «فلان» کے بارے میں متعدد آراء میں سے یہ رائے عقل اور تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے کیونکہ امیر المؤمنین علی (ع) کی رائے عمر کے بارے میں تو ذکر ہوئی، لہذا وہ تو مراد نہیں ہو سکتا، اسکے علاوہ ممکن ہے کہ مراد ان حضرت کا ایک صحابی مالک اشتر ہو۔

صبحی صالح کا واضح کلام بھی اس رائے کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔

7- شاید یہ تعریف تقیہ کے عنوان سے کی گئی ہو:

ابن ابی الحدید نے خطبے کے ذیل میں لکھا ہے:

اما الامامية فيقولون: إن ذلك من التقية واستصلاح أصحابه... .[١٤]

شیعیان کہتے ہیں: علی (ع) نے یہ کلام تقیہ کی خاطر اور اپنے اصحاب کی خیر خواہی کے لیے فرمایا ہے۔

اس رائے کے بھی قائل افراد ہیں اور یہ رائے نہج البلاغہ کے دوسرے جملات کے ساتھ بھی قابل جمع ہے، خطبہ 73 نہج البلاغہ میں فرمایا ہے:

لَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَحَقُّ بِهَا مِنْ غَيْرِي. وَ وَ اللَّهِ لَأُسَلِّمَنَّ مَا سَلِمَتْ أُمُورُ الْمُسْلِمِينَ. وَ لَمْ يَكُنْ فِيهَا جَوْرٌ إِلَّا عَلَيَّ خَاصَّةً. الْتِمَاساً لِأَجْرِ ذَلِكَ وَ فَضْلِهِ. وَ زُهْداً فِيمَا تَنَافَسْتُمُوهُ مِنْ زُخْرُفِهِ وَ زِبْرِجِهِ.

بے شک تم جانتے ہو کہ میں دوسروں کی نسبت خلافت کے لیے زیادہ اہل و مناسب ہوں، خدا کی قسم جو کچھ تم لوگوں نے کر دیا ہے، وہ مجھے بھی اسلام اور مسلمین کی بہتری کے لیے قبول ہے، اسی لیے میں اپنے پر ظلم و ستم ہونا برداشت کر لیتا ہوں، اس صبر و سکوت کا اجر مجھے خداوند سے ملے گا۔۔۔۔۔

میرزا حبیب اللہ خوئی نے ابن ابی الحدید کے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

و الحاصل أنّه علي كون المكنّي عنه عمر لا بدّ من تأويل كلامه و جعله من باب الايهام و التّورية علي ما جرت عليها عادة أهل البيت عليهم السّلام في أغلب المقامات فانّهم... .[۱۵]

خلاصہ یہ کہ: لفظ «فلان» سے مراد اگر عمر ہو تو ار حضرت کے کلام کی تاویل کرنا ہو گی اور اس کلام کو کنایہ و اشارہ شمار کرنا ہو گا، جیسا کہ اہل بیت کی سیرت و عادت، متعدد مقامات پر ایسے ہی تھی۔

لہذا اگر فرض بھی کرلیں کہ لفظ «فلان» سے مراد عمر ہے تو کہنا پڑے گا کہ یہ کلام تقیہ کی وجہ سے بیان کیا گیا تھا، جیسا کہ رسول خدا(ص) عائشہ کی قوم سے تقیہ کرتے تھے۔

محمد ابن اسماعیل بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں لکھا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنهم زَوْجِ النَّبِيِّ صلي الله عليه وسلم أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلي الله عليه وسلم قَالَ لَهَا أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ قَوْمَكِ لَمَّا بَنَوُا الْكَعْبَةَ اقْتَصَرُوا عَنْ قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلاَ تَرُدُّهَا عَلَي قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ. قَالَ: « لَوْلاَ حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَفَعَلْتُ».[١٦]

رسول خدا(ص) کی بیوی عائشہ نے روایت کی ہے کہ ان حضرت نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتی کہ تمہاری قوم نے جب کعبہ کی تعمیر کی تھی تو انھوں نے اسکے ستونوں کو حضرت ابراہیم کے بنائے گئے ستونوں سے چھوٹا بنایا تھا؟

عائشہ نے کہا: آپ اسکو اسکی پہلی والی حالت میں واپس کیوں نہیں پلٹا دیتے؟

حضرت(ص) نے فرمایا: اگر تیری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوئی ہوتی تو ایسا کر دیتا۔

8- شاید یہ کلام حضرت علی(ع) کا نہ ہو:

اہل سنت کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام ایک «ابنۃ ابو حنتمۃ» نامی عورت کا ہے:

حدثني عمر قال حدثنا علي قال حدثنا ابن دأب وسعيد بن خالد عن صالح بن كيسان عن المغيرة بن شعبة قال لما مات عمر رضي الله عنه بكته ابنة أبي حَنْتَمَة فقالت واعمراه، أقام الأود وأبرأ العمد أمات الفتن وأحيا السنن خرج نقي الثوب بريئا من العيب.

قال: وقال المغيرة بن شعبة: لما دفن عمر أتيت علياً وأنا أحب أن أسمع منه في عمر شيئا فخرج ينفض رأسه ولحيته وقد اغتسل وهو ملتحف بثوب لا يشكّ أنّ الأمر يصير إليه، فقال: يرحم الله ابن الخطاب لقد صدقت ابنة أبي حنتمة لقد ذهب بخيرها ونجا من شرها، أما والله ما قالت ولكن قوّلت.[١٧]

مغیرہ سے نقل ہوا ہے کہ جب عمر مر گیا تو ابر حنتمہ کی بیٹی نے اس پر گریہ کیا اور کہا: ہائے عمر نے غلط رسوم کو صحیح کیا، بیماریوں کا علاج کیا، فتنوں کو ختم کیا اور سنتوں کو زندہ کیا، وہ پاک لباس اور کم گناہوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔

مغیرہ کہتا ہے جب عمر کو دفن کر دیا گیا تو میں علی (ع) کے پاس آیا اور میں چاہتا تھا کہ حضرت کی زبان سے عمر کے بارے میں کوئی بات سنوں۔ ان حضرت نے غسل کیا ہوا تھا اور وہ مطمئن تھے کہ عمر کے بعد خلافت انھیں ہی ملے گی، اس حالت میں علی نے کہا: خداوند ابن خطاب پر رحمت کرے، ابو حنتمہ کی بیٹی نے صحیح ہی کہا ہے

ـــــــــــــــــــ

یہ رائے بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی کیونکہ مشکل ہے کہ کہا جائے کہ شریف رضی نے توجہ کیے بغیر اس کلام کی علی (ع) کی طرف نسبت دے دی ہے، حالانکہ وہ پابند تھا کہ کتاب نہج البلاغہ میں صرف امام علی (ع) کے کلمات کو جمع کرے، نہ کہ دوسروں کے اقوال کو یا ان کلمات کو کہ جو ان حضرت نے دوسروں سے سنے ہیں اور نقل کیے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ سید رضی نے اس کتاب میں حضرت کے صرف فصیح و بلیغ کلمات کو جمع کیا ہے، لہذا یہ رائے کتاب نہج البلاغہ کے اصل جمع کرنے کے سبب سے ہی تضاد رکھتی ہے۔

اسکے علاوہ سید رضی اس بارے میں اتنا پابند ہے کہ اگر امیر المؤمنین علی (ع) کسی عرب شاعر کا شعر یا ضرب المثل ذکر کرتے ہیں تو، سید رضی نقل قول کو مکمل طور پر ذکر کرتے ہیں کہ یہ کس کا قول ہے اور اگر کبھی ان حضرت کے خطبات میں سے ایک خطبے یا کسی کلمے کی دوسرے شخص کی طرف نسبت دی گئی ہو تو، وہ اسکو بھی ذکر کرتے ہیں، جیسے خطبہ 32 میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اس خطبے کی معاویہ کی طرف نسبت دی گئی ہے، لہذا مورد بحث خطبہ اگر کسی دوسرے شخص کا ہوتا تو سید رضی نے اس بات کو ضرور ذکر کرنا تھا۔

علامہ شوشتری نے اس بارے میں کہا ہے:

و أمّا ما نقله عن (الطبري) فمع أنّ رواية المخالف لنفسه غير مقبولة، لا يفهم منه سوي أنّه عليه السّلام صدق من قول ابنة أبي خيثمة (حنتمة) جملة (ذهب بخيرها و نجا من شرّها)، حتي إنّه عليه

السّلام قال: ما قالته و لكن قوّلته. يعني ما قالته من نفسها، و لكن حملت علي قوله، و ليس تحته شي ء، لأن معناه أنّ في الخلافة و السلطنة خيرا و شرّا، و لكنّ عمر ذهب بخيرها و نجا من شرّها بحبسه مثل طلحة و الزبير عن الخروج عن المدينة، حتّي إلي الجهاد لئلّا يخرجا عليه، و أحدث شوري موجبة لنقض الامور عليه عليه السّلام و ليس قوله عليه السّلام: (ذهب بخيرها و نجا من شرّها)إلّا نظير قوله عليه السّلام فيه و في صاحبه في الشقشقية: لشدّ ما تشطّرا ضرعيها.

و أمّا باقي العنوان فإمّا افتراء تعمّدا - و الافتراء عليه عليه السّلام كالنبيّ عليه السّلام كثير فالخصم يضع لنفسه علي حسب هواه - و إمّا توهما من قوله عليه السّلام: لقد صدقت ابنة أبي خيثمة (حنتمة)، أنّه راجع إلي جميع ما قالته، مع أنّه عليه السّلام قيّده في قولها: ذهب بخيرها و نجا من شرّها. مع أنّ ما في (الطبري) تحريف، فعن ابن عساكر قال عليه السّلام: (أصدقت) لا (لقد صدقت).

و ممّا ذكرنا يظهر لك ما في قول ابن أبي الحديد، علي أنّ الطبري صرّح أو كاد أن يصرّح بأنّ المراد بهذا الكلام عمر، فإنّ الطبري إنّما روي وصف بنت أبي خيثمة (حنتمة) بما روي، و أنّ المغيرة كان يعلم أنّ عليّا عليه السّلام يكتم ما في قلبه علي عمر كصاحبه، فأراد المغيرة أن يستخرج ما في قلبه ذاك الوقت فأجابه عليه السّلام بحكمته بذم و شكوي في صورة الثناء.[١٨]

جو طبری نے نقل کیا ہے، ہمارے غیر قابل قبول ہونے کے علاوہ، کیونکہ ایک سنی سے نقل ہوا ہے،اس لیے یہ کلام ختنمہ کی بیٹی کے ہونے کا استفادہ نہیں ہوتااور وہ کہ جملہ ہے:

وہ خلافت کی خوبیوں کو ساتھ لے گیااور اسکی بدیوں سے نجات پا گیا، یہاں تک کہ ان حضرت نے فرمایا: بنت ختنمہ نے یہ بات نہیں کہی بلکہ انھوں نے اسکی زبان پر جاری کیا تھا،اوراس جملے کا یہ معنی ہے کہ حکومت میں خیر وشر ہوتا ہےاور عمر خیر کواپنے ساتھ لے گیااور شر کواس دنیا میں ہی چھوڑ گیا کہ اس سے مقصود طلحہ وزبیر کا شہر مدینہ سے باہر جانا ممنوع تھا، یہاں تک کہ شورا تشکیل پا گئی کہ جسکا نتیجہ امام علی (ع) کے خلاف نکلااور دراصل یہ جملہ:

ذهب بخيرها و نجا من شرّها،

ان حضرت کے خطبہ شقشقیہ میں عمراور اسکے دوست ابو بکر کے بارے میں ہے کہ جو تمام کا تمام ان دونوں کی مذمت ہے۔

شہید مطہری نے طبری کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

لیکن عصر حاضر کے بعض محققین نے طبری کے علاوہ اس واقعے کوایک دوسری صورت میں نقل کیا ہےاور وہ یہ کہ علی (ع) جب باہر آئے توانھوں نے مغیرہ کو دیکھااور سوال کے انداز میں اس سے پوچھا: کیاابی خیثمہ کی بیٹی

نے جو عمر کی تعریف کی تھی،وہ صحیح تھی؟لہذا مذکورہ بالا جملات علی(ع) کا کلام نہیں ہے بلکہ متکلم ایک عورت ہے کہ جسکا نام خیثمہ ہے اور سید رضی نے ان جملات کو نہج البلاغہ کے کلمات کے ساتھ ذکر کرکے غلطی کی ہے۔

[19]

نتیجہ بحث و تحقیق:

یہ رائے کہ لفظ«فلان» سے مراد عمر ہے،ہر گزاسکو قبول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ

اولاً: اس رائے پر کوئی دلیل نہیں اور ابن ابی الحدید و محمد عبدہ کے کلام کی شیعیان کے لیے کوئی اہمیت نہیں ہے۔

ثانیاً: یہ رائے تاریخ اور شیعہ و سنی کی کتب میں موجود امیر المؤمنین علی(ع) کے دوسرے کلمات کے ساتھ تضاد رکھتی ہے۔

صرف وہ رائے کہ جو شیعہ کی موردتائید ہے،وہ مرحوم قطب راوندی کی رائے ہے کیونکہ وہ ایک شیعہ کا کلام ہے اور خود انکی اپنی کتاب میں ذکر ہوا ہے،یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ رائے شیعہ سے منسوب ہو اور اسے ایک سنی نے نقل کیا ہو۔

اور جیسا کہ کہا گیا وہ (قطب راوندی) دوسروں کی نسبت سید رضی کی آراء سے زیادہ آشنائی رکھتا تھا، مخصوصا بعض علمائے اہل سنت نے بھی اس رائے کو قبول کیا ہے۔

حوالہ جات:

[١] . نهج البلاغه، صبحي صالح، خطبه: ٢٢٨؛ فيض الإسلام، خطبه ٢١٩، محمد عبدة، خطبه: ٢٢٢؛ ابن أبي الحديد، خطبه: ٢٢٣.

[٢] . إبن أبي الحديد المدائني المعتزلي، أبو حامد عز الدين بن هبة الله بن محمد بن محمد (متوفي٦٥٥ هـ)، شرح نهج البلاغة، ج ١٢، ص ٣، تحقيق محمد عبد الكريم النمري، ناشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان، الطبعة: الأولي، ١٤١٨هـ - ١٩٩٨م.

[٣] . نهج البلاغه، شرح محمد عبده، ص ٤٣٠.

[٤] . النيسابوري، مسلم بن الحجاج أبو الحسين القشيري (متوفي٢٦١هـ)، صحيح مسلم، ج ٣، ص ١٣٧٨، ح ١٧٥٧، كِتَاب الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَاب حُكْمِ الْفَيْءِ، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، ناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت.

[٥] . إبن أبي شيبة الكوفي، أبو بكر عبد الله بن محمد (متوفي٢٣٥ هـ)، الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، ج ٥، ص ٤٦٩، ح٩٧٧٢، تحقيق: كمال يوسف الحوت، ناشر: مكتبة الرشد - الرياض، الطبعة: الأولي، ١٤٠٩هـ

[٦] . البخاري الجعفي، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله (متوفي٢٥٦هـ)، صحيح البخاري، ج ٤، ص ١٥٤٩، ح٣٩٩٨، كِتَاب الْمَغَازِي، بَاب غَزْوَةِ خَيْبَرَ، تحقيق د.

مصطفي ديب البغا، ناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت، الطبعة: الثالثة، ١٤٠٧ - ١٩٨٧؛

النيسابوري، مسلم بن الحجاج أبو الحسين القشيري (متوفي٢٦١هـ)، صحيح مسلم، ج ٣، ص ١٣٨٠، ح١٧٥٩، كِتَاب الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَاب حُكْمِ الْفَيْءِ، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، ناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت.

[٧] . اليعقوبي، أحمد بن أبي يعقوب بن جعفر بن وهب بن واضح (متوفي٢٩٢هـ)، تاريخ اليعقوبي، ج ٢، ص ١٦٢، ناشر: دار صادر - بيروت.

[٨] . الشيباني، أحمد بن حنبل أبو عبدالله (متوفي٢٤١هـ)، مسند الإمام أحمد بن حنبل، ج ١، ص ٧٥ ، ناشر: مؤسسة قرطبة - مصر؛

الهيثمي، علي بن أبي بكر (متوفي٨٠٧ هـ)، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ٥، ص ١٨٥، ناشر: دار الريان للتراث / دار الكتاب العربي - القاهرة، بيروت - ١٤٠٧هـ.؛

الجزري، عز الدين بن الأثير أبي الحسن علي بن محمد (متوفي٦٣٠هـ)، أسد الغابة في معرفة الصحابة، ج ٤، ص ٣٢، تحقيق عادل أحمد الرفاعي، ناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت / لبنان، الطبعة: الأولي، ١٤١٧ هـ - ١٩٩٦ م

[٩] . الطبري، أبي جعفر محمد بن جرير (متوفي٣١٠هـ)، تاريخ الطبري، ج ٣، ص ١١٦، ناشر: دار الكتب العلمية - بيروت؛

الشيباني، أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم (متوفي٦٣٠هـ)، الكامل في التاريخ، ج ٣، ص ٢١٥، تحقيق عبد الله القاضي، ناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة الثانية، ١٤١٥هـ

[١٠] . إبن أبي الحديد المدائني المعتزلي، أبو حامد عز الدين بن هبة الله بن محمد بن محمد (متوفي٦٥٥ هـ)، شرح نهج البلاغة، ج ١٢، ص ٣، تحقيق

محمد عبد الكريم النمري، ناشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان، الطبعة: الأولي، ١٤١٨هـ - ١٩٩٨م.

[١١] . نهج البلاغه، صبحي صالح، خطبه ٢٢٨، ص ٣٥٠.

[١٢] . الراوندي، قطب الدين سعيد بن هبة الله (متوفي٥٧٣هـ)، منهاج البراعة في شرح نهج البلاغة، ج ٢، ص ٤٠٢، مصحح: سيد عبد اللطيف كوهكمري، ناشر: كتابخانه آيت الله مرعشي ـ قم، ١٣٦٤هـ ش.

[١٣] . هاشمي خوئي، ميرزا حبيب الله، منهاج البراعة في شرح نهج البلاغة،ج١٤، ص٣٧٥، مصحح: سيد ابراهيم ميانجي، ناشر: مكتبة الإسلامية ـ تهران، ١٣٥٨هـ ش.

[١٤] . إبن أبي الحديد المدائني المعتزلي، أبو حامد عز الدين بن هبة الله بن محمد بن محمد (متوفي٦٥٥ هـ)، شرح نهج البلاغة، ج ١٢، ص ٣، تحقيق محمد عبد الكريم النمري، ناشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان، الطبعة: الأولي، ١٤١٨هـ - ١٩٩٨م.

[١٥] . هاشمي خوئي، ميرزا حبيب الله، منهاج البراعة في شرح نهج البلاغة،ج١٤، ص٣٧٥، مصحح: سيد ابراهيم ميانجي، ناشر: مكتبة الإسلامية ـ تهران، ١٣٥٨هـ ش.

[١٦] . البخاري الجعفي، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله (متوفي٢٥٦هـ)، صحيح البخاري، ج ٢، ص ٥٧٣ ح ١٥٠٦ و ج ٣، ص ١٢٣٢، ح ٣١٨٨ و ج ٤، ص١٦٣٠، ح٤٢١٤، (ج ٢ ص ١٥٦ و ج ٤، ص ١١٨ طبق برنامه مكتبه اهل البيت عليهم السلام) تحقيق د. مصطفي ديب البغا، ناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت، الطبعة: الثالثة، ١٤٠٧ - ١٩٨٧.

[۱۷] . الطبري، أبي جعفر محمد بن جرير (متوفي۳۱۰)، تاريخ الطبري، ج ۲، ص ۵۷۵، ناشر: دار الكتب العلمية - بيروت؛

الجزري، عز الدين بن الأثير أبي الحسن علي بن محمد (متوفي۶۳۰هـ) الكامل في التاريخ، ج ۲، ص ۴۵۶، تحقيق عبد الله القاضي، ناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة الثانية، ۱۴۱۵هـ.

[۱۸] . شوشتري، محمد تقي (معاصر) بهج الصباغة في شرح نهج البلاغة، ج ۹، ص ۴۸۳، ناشر: مؤسسه انتشارات امير كبير ـ تهران، ۱۳۷۶هـ ش.

[۱۹] . مطهري، مرتضي، سيري در نهج البلاغه، ص ۱۶۴، ناشر: انتشارات صدرا ـ قم.

التماس دعا.....